جارج جیکب ہولیوک کے اصول سیکولرازم کا تجزیاتی مطالعہ

An analysis of "The Principles of Secularism" of George Jacob Holyoake

ڈاکٹر جنید اکبر*

محمد حیات خان**

Abstract

Secularism is the most familiar term used everywhere now a days. Although many philosophers contributed a lot to promote secular thought among the peoples but George Jacob Holyoake is the first one to provide principles and rules for it and he is the only who promoted the word "secular" as an "ism". That's why he may be called "Father of Secularism". This article is basically an analysis of principles of secularism written by him in his book "The Principles of Secularism" and tells that how modern secular thought differs from the principles given by Holyoake. It also alight the biography of Holyoake, his thought about religion, hypocritical approach and intentions of modern secular people regarding Islam and Muslims. Its findings tell that secularism, liberalism, humanism is promoting nothing but the atheism.

Keywords George Jacob Holyoake, secularism, rationalism, the oracle of reason, Gladstone, age of enlightenment, Richard Cobden, Thomas Paine, Robert Owen, The Reasoner

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، جامعہ ہری پور

** پی ایچ ڈی سکالر، جامعہ ہری پور

تمہید

عصر حاضر میں عالمگیریت کے دلنشین نعرے کو عوام و خواص کے دلوں میں جاگزیں کروانے کے لئے مختلف نظریات و افکار پیش کئے جارہے ہیں جن میں سے سیکولرازم اور لبرل ازم مقبولیت کی انتہائی حدوں کو چھو رہے ہیں۔ سیکولرازم کا بنیادی مقصد مذہب کو معاشرتی زندگی سے نکال کر فرد کی زندگی تک محدود کرنا ہے جبکہ لبرل ازم ایک سیاسی نظریہ ہے جو فرد کی آزادی کو سیاسی محور قرار دے کر اس کے تحفظ اور بقا کا نعرہ بلند کرتا ہے۔[1] لفظ "سیکولر" کو "سیکولرازم" میں تبدیل کرکے "نظریہ" کے طور پر متعارف کروانے والا "جارج جیکب ہولیوک" (George Jacob Holyoake) بذاتِ خود ایک دہریہ تھا جس نے دہریت کو جدید پیرائے میں پیش کیا اور اسے قابلِ عمل بنانے اور لوگوں میں متعارف کروانے کے لئے "سیکولرازم" کو بطور اصطلاح استعمال کیا۔

اہمیتِ موضوع

اردو زبان میں سیکولرازم پر لکھی جانے والی کتب اور مقالات میں "ہولیوک" کے بارے میں مواد یا تو سرے سے موجود ہی نہیں یا اگر ہے بھی تو اس کی آراء کا سرسری تجزیہ کرکے بعد کے سیکولر مفکرین کی آراء پر بحث کی جاتی ہے حالانکہ "سیکولرازم" کو بطور اصطلاح استعمال کرنے والا اولین فرد ہونے کی وجہ سے اسے سیکولرازم کا بانی قرار دینا بے جا نہ ہو گا۔ خود موصوف کی ایک کتاب "The Principles of Secularism" اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ سیکولرازم کو بطور اصطلاح متعارف کروانے کے علاوہ اس کے بنیادی اصولوں کو مرتب شکل میں سامنے لانے کا سہرا بھی موصوف ہی کے سر سجتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ "ہولیوک" کے حالاتِ زندگی اور اس کی کتاب "The Principles of Secularism" میں پیش کردہ اصولوں کو بیان کیا جائے اور سیکولرازم کے علمبرداروں کے عملی نفاق اور دوغلی پالیسیوں کو واضح کیا جائے تاکہ ان کے خوبصورت نعروں کا کھوکھلا پن معلوم ہو سکے اور نسلِ نو دہریت کے اس نرم متبادل سے خود کو بچا سکے۔

سیکولرازم کیا ہے؟

لفظ "سیکولر" بنیادی طور پر صفت ہے جس کے معانی میں "صدی"، "دعا"، "طویل ترین ممکنہ انسانی زندگی"، "کسی بھی چیز کے آغاز سے انجام تک کا دورانیہ"،[2] "غیر مذہبی"، "غیر مقدس"، "ان پڑھ"، "جاہل" اور

"ایک نسل" (Generation) وغیرہ شامل ہیں۔[3] عیسائیت میں سیکولر کا لفظ کلیسا کے متضاد کے طور پر مستعمل ہے چنانچہ ایسا شخص جو کلیسائی معاملات سے الگ تھلگ رہ کر اپنی زندگی گزار رہا ہو وہ سیکولر کہلاتا ہے۔[4]

سیکولرازم کی تعریفات کو مد نظر رکھا جائے تو اس کا بنیادی مقصد کسی بھی مذہب یا دین کو فرد کی انفرادی زندگی تک محدود کر کے معاشرے سے اس کے اثر و نفوذ کو ختم کرنا ہے ۔ بالفاظِ دگر اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانی کاوشیں اور معاملات بالخصوص سیاسی معاملات دینی اثرات سے بالکل خالی ہوں گویا دین و دنیا کو دو ایسی متوازی لکیریں بنا دینا کہ جو کبھی بھی باہم مل نہ پائیں سیکولرازم کا بنیادی مقصد ہے۔ اس کے برعکس اسلامی تعلیمات میں دین و دنیا کی تفریق کا کوئی تصور سرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ دنیاوی امور کو دینی تعلیمات کی روشنی میں بجالانے کے احکام جا بجا ملتے ہیں۔ دین و دنیا کی تفریق نہ ہونے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات میں ایک ایسا حسین توازن پایا جاتا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

سیکولرازم کی عملی کیفیت

سیکولرازم کے علمبردار اگرچہ دنیاوی معاملات کو دین سے الگ رکھنے کے دعویدار ہیں لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا بلکہ خالص دینی معاملات میں ان کی دخل اندازی کا سلسلہ جاری و ساری ہے بالخصوص ایسے معاملات جن کا تعلق خالصتاً فرد کی ذاتی زندگی سے ہے انھیں نشانہ بنایا جانا سیکولرازم کے مساوات کے دعوؤں کا پول کھولنے کے لئے کافی ہے۔ عملی اظہار کی بنیاد پر یہ کہنا بالکل درست ہو گا کہ سیکولرازم درحقیقت دہریت کا جدید اظہار ہے جسے سیکولرازم کے لبادے میں پیش کر کے دہریت کے پھیلاؤ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

سیکولرازم کی تحریک

سیکولرازم کے بطور نظریہ پنپنے سے قبل یورپ میں ۱۵۱۷ء میں مارٹن لوتھر نے پاپائیت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا جس کے نتیجے میں عیسائیت دو فرقوں "کیتھولک" اور "پروٹسٹنٹ" میں تقسیم ہو گئی اور دونوں فرقوں کے درمیان یہ نزاع 1552ء تا 1700ء تک کے طویل عرصہ کو محیط ہے۔ اس مذہبی تنازع کی وجہ سے 1618ء تا 1648ء کے دورانیہ ایک طویل جنگ ہوئی جس میں بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا[5] جس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ عیسائیت کے بارے میں پیدا ہونے والے دونوں نظریات قابلِ قبول ہیں اور آئندہ کوئی بھی ملک دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرے گا۔[6]

سائنسی فتوحات کی ابتداء کے ساتھ ہی روشن خیالی کے فلسفہ کو فروغ حاصل ہوا تو دہریت والحاد نے "آزاد خیالی" (Free Thought) کے نام سے باقاعدہ تحریک کی صورت اختیار کر لی ۔ یہ دور یورپی تاریخ میں "تنویریت کا دور/روشنی کا دور" (Age of Enlightenment) کہلاتا ہے۔[7] اس دور میں آزاد خیالی کی تحریک کے فروغ میں اہم کردار ادا کرنے والوں میں رچرڈ کابڈن(Richard Cobden, 1804-1865)،[8] گلیڈ سٹون (Gladstone, 1809-1898)،[9] تھامس پین (Thomas Paine, 1737-1809)[10] اور رابرٹ اوون(Robert Owen, 1771-1858)[11] وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ روشنی کے اس دور میں پیش کئے جانے والے افکار و نظریات نے کلیسا اور بادشاہت کو کمزور کیا اور اٹھارویں اور انیسویں صدی کے انقلابات کا راستہ ہموار کیا یہی وجہ ہے کہ جب جمہوری ریاستوں کے قیام کے بعد ان کے لئے دساتیر وضع کرنے کا وقت آیا تو ان میں "سیکولر" کا لفظ مذہب سے لاتعلقی اور غیر جانبداری کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ بطورِ مثال امریکہ، فرانس اور بھارت کے آئین کو پیش کیا جاسکتا ہے جس میں تمام شہریوں کو مذہب و ملت اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر مساوی درجہ دیا گیا ہے۔

سیکولرازم بطور نظریہ

سیکولرازم کو فروغ دینے والے افراد میں سے جارج جیکب ہولیوک کو کلیدی حیثیت حاصل ہے بلکہ ہولیوک کو سیکولرازم کا بانی قرار دینا بھی بے جانہ ہو گا کیونکہ یہی وہ شخص ہے جس نے سیکولرازم کو بطور اصطلاح متعارف کروایا اور اس کے لئے اصول وضع کئے جن کی بنیاد پر سیکولرازم کے ابتدائی خدوخال واضح ہوئے اور اسے مغربی مفکرین نے بطور اصطلاح استعمال کرتے ہوئے ایک نئے طرزِ فکر کی بنیاد رکھی۔ ہولیوک کی کتاب "The Principles of Secularism" میں سیکولرازم کے بنیادی اصولوں کو بیان کرنے کے ساتھ ان کی تشریح بھی کی گئی ہے۔

جارج جیکب ہولیوک کے حالاتِ زندگی

جارج جیکب ہولیوک 13 اپریل 1817 میں برمنگھم میں پیدا ہوا۔ اپنی پوری زندگی حقوقِ نسواں کے تحفظ اور سیاسی و تعلیمی اصلاحات کی کوشش کرتے ہوئے گزاری اور 22 جنوری 1906ء میں وفات پائی۔[12]
ہولیوک رابرٹ اوون کے سیکولر نظریات سے متاثر تھا۔ بطور استاد اپنی پہچان بنانے کی کوشش کی تو

سیکولر نظریات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس میں دشواری محسوس کی۔ 1831ء میں "برمنگھم ریفارم لیگ" میں شمولیت اختیار کی اور 1840ء میں اس بات کا فیصلہ کیا کہ وہ سیکولرازم کے نظریات کا پرچار کرے گا جس کے لئے وہ وارسیسٹر گیا جہاں اس کی ملاقات چارلس ساؤتھ ویل، جو "The Oracle" کا ایڈیٹر تھا، سے ہوئی جس نے "The Oracle of Reason" مرتب کرنے میں اس کی مدد کی۔[13]

چارلس ہی سے متاثر ہو کر ہولیوک نے دہریت اختیار کی۔ چارلس کو جیل کی سزا ہوئی تو ہولیوک نے ایڈیٹر کی ذمہ داری سنبھال لی۔ مئی 1842ء میں ایک لیکچر کی وجہ سے توہینِ مذہب کے جرم میں اسے چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔[14] سزا مکمل ہونے کے بعد ہولیوک لندن میں مقیم ہوا اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ لندن سیکولر سوسائٹی کی صدارت بھی کی۔[15]

ہولیوک کو توہینِ مذہب پر ملنے والی سزا کی عدالتی کاروائی اور اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ 24 مئی 1842ء میں اسے ایک لیکچر دینے کے لئے وارسسٹر جانا پڑا۔ اس کا موضوعِ سخن "Home Colonization, as a means of superseding Poor-laws and Emigration" تھا۔ تقریر کے آخر میں ایک شخص نے سوال کیا جس میں اس کی تقریر کی تعریف کرتے ہوئے یہ پوچھا گیا تھا کہ خدا کی بنسبت ایک آدمی کی کیا ذمہ داری بنتی ہے؟[16]

اس سوال کے جواب میں ہولیوک نے مذہب پر اخلاق کے چشموں کو زہر آلود کرنے کا الزام عائد کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:

"I wish not to hear the name of God, I shudder at the thought of religion, I flee the Bible as a viper and revolt at the touch of a Christian for their tender mercies may fall next on my head."[17]

"میں خدا کا نام بھی نہیں سننا چاہتا، مذہب کا سوچ کر ہی مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، میں بائبل سے اس طرح دور بھاگتا ہوں جیسے سانپ سے اور کسی عیسائی کے چھونے سے برگشتہ ہو جاتا ہوں کہ کہیں ان کی محبت آمیز مہربانیاں میرے سر نہ آپڑیں"

ہولیوک کے یہ الفاظ سیکولر سوچ رکھنے والوں کے طرزِ عمل کو آشکار کرتے ہیں کہ وہ لوگ مذہب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کس حد تک اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔

ہولیوک کی تصانیف

ہولیوک نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں

1. Rationalism A Treatise for the Times (London J. Watson, 1845)
2. The History of the Last Trial by Jury for Atheism in England A Fragment of Autobiography (London J. Watson, 1850)
3. Christianity and Secularism Report of a Public Discussion Between Rev. Brewin and G. J. Holyoake (London Ward & Co, 1853)
4. Rudiments of Public Speaking and Debate or, Hints on the Application of Logic (New York McElrath & Barker, 1853)
5. The Trial of Theism (London, 1858)
6. The Principles of Secularism (London, 1870)
7. The History of Co-Operation in England Its Literature and its Advocates (London Trübner & Co, 1875)
8. English Secularism A Confession of Belief (Chicago The Open Court Publishing Company, 1896)
9. Bygones Worth Remembering, (2 Volumes), (London T. Fisher Unwin Paternoster Square, 1905)
10. Life Of Joseph Rayner Stephens Preacher and Political Orator, (London Williams And Norgate, 14, Henrietta Street, Covent Garden, 1881)
11. Self-Help A Hundred Years Ago, (London Swan Sonnens Chein & CO., Paternoster Square, 1891)
12. The Co-Operative Movement To-Day, (London Metheun & Co. 36 Essex Street, W.C., 1903)
13. Among The Americans And A Stranger In America, (Chicago Belford, Clarke & Co., 1881)

The Principles of Secularism کا تعارف

زیرِ نظر نسخہ 1870ء میں لندن سے طبع ہونے والے تیسرے ایڈیشن کا برقی نسخہ ہے جو پی ڈی ایف فارمیٹ میں ہے۔ اس کتاب کے کل صفحات 60 ہیں جن میں سے ابتدائی چار صفحات سرورق اور فہرستِ مضامین وغیرہ پر مشتمل ہیں،اس کے بعد کتاب کا متن شروع ہوجاتا ہے جو صفحہ نمبر48 تک ہے۔ صفحہ نمبر49 اور50 پر اشاریہ ہے۔ صفحہ نمبر51 اور52 پر "The Reasoner" نامی کتاب پر تبصرہ ہے جسے ہولیوک نے ایڈیٹ کیا تھا۔

یہ کتاب چھ(6)ابواب پر مشتمل ہے۔پہلا باب تعارفی باب ہے۔دوسرا باب سیکولرازم کی اصطلاح کی توضیح پر مشتمل ہے۔تیسرا باب سیکولرازم کے اصولوں سے متعلق ہے۔چوتھا باب سیکولر فکر کے قوانین پر

مشتمل ہے۔ پانچواں باب سیکولر افراد کے دائرہ کار کے تعین کے بارے میں ہے۔ چھٹا باب سیکولر تنظیم سازی کے بارے میں ہے۔ ساتویں باب میں سیکولر تنظیموں کے دائرہ کار کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ آٹھویں باب میں اس بات سے بحث کی گئی ہے کہ سیکولرازم کا مقام کیا ہے۔ نواں باب سیکولرازم کی خصوصیات پر مشتمل ہے جبکہ آخر میں اشاریہ دیا گیا ہے جس میں اس کتاب کے مضامین اور ان کے صفحہ نمبر درج ہیں۔

سیکولرازم کے اصول

جارج ہولیوک نے سیکولرازم کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی گئی ہے؟ یہ جاننا بے حد ضروری ہے تاکہ اس بات کا علم ہو سکے کہ سیکولرازم کے علمبردار ان اصولوں کی کس حد تک پاسداری کرتے ہیں اور مذہب کے معاشرتی امور و معاملات میں عمل دخل کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ چند بنیادی اصول درج ذیل ہیں

1. سیکولرازم کا مقصد مادی طور پر انسانی فلاح و بہبود کا پرچار کرنا ہے جس کا تعلق کسی بھی انسانی زندگی میں ہونے والے تجربات سے ہے جس کے ذریعے انسانی فطرت کے بلند ترین جسمانی اور اخلاقی مدارج تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔[18]
2. سیکولرازم میں ایجابی پہلو کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے تاکہ اس پر عمل پیرا شخص اس بات کو جان سکے کہ فطرت کیا ہے؟ اخلاقیات میں کون سے امور داخل ہیں؟ جس کے نتیجے میں انسان درست، حقیقی اور تعمیری پہلوؤں کو اختیار کر سکتا ہے۔ سیکولرازم میں ایجابی اصولوں سے مراد ایسے اصول ہیں جن کا اثبات کیا جا سکتا ہو۔[19]
3. دل کی آواز نتیجہ سے بالاتر (اعلیٰ) ہوتی ہے۔[20]
4. مذہب اور ریاست میں تفریق ہو گی۔[21]
5. ہر شخص مذہب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد ہے۔ کسی بھی مذہب کو اختیار کرنا یا اسے چھوڑ دینا یا کسی بھی مذہب پر یقین نہ رکھنے کی مکمل آزادی حاصل ہے۔[22]
6. کسی بھی قسم کے فائدے یا نقصان کے حصول میں مذہب سے وابستگی یا عدم وابستگی کا عمل دخل نہیں ہو گا۔[23]

سیکولرازم کے متذکرہ بالا اصول بظاہر اتنے خوشنما ہیں کہ ہر شخص ان کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے۔

آئندہ سطور میں ان اصولوں پر بالترتیب تبصرہ کیا جائے گا تاکہ ان کی حقیقت واضح کی جاسکے۔

فلاحِ انسانیت

سیکولرازم کا پہلا اصول کہ فلاحِ انسانی کے لئے مادیت کا سہارا لیا جائے اور تجربات سے سیکھ کر اعلیٰ اخلاقی و جسمانی اقدار تک رسائی حاصل کی جائے، بظاہر ایک ایسا اصول نظر آتا ہے جسے ماننے میں کسی کو تامل نہیں ہونا چاہیئے لیکن اگر عمیق نظر سے اس کا جائزہ لیا جائے تو مادیت پر انحصار کرنے کی اس دعوت میں مذہب سے بیزاری اور عدمِ تعلق کا نعرہ پوشیدہ ہے۔ انسانی فلاح کا نعرہ اپنے اندر اس بات کو بھی سموئے ہوئے ہے کہ دنیاوی زندگی ہی حرفِ آخر ہے، اس میں کامیابی و کامرانی ہی اصل فلاح ہے جو سراسر غلط ہے۔ انسانی تجربات سے سیکھ کر اقدار کا تعین بھی باطل ہے کیونکہ اس خوشنما بات کے پسِ منظر میں عقل کو تمام معاملات میں حرفِ آخر قرار دینے کی دعوت پنہاں ہے۔

سیکولرازم کا مادیت کا سہارا لے کر انسانیت کی فلاح و بہبود کا نعرہ بلند کرنا بجا مگر اس سوچ نے بنی نوعِ انسان کا استحصال کس طرح کیا اسے جاننے کے لئے دنیا میں رائج معاشی نظاموں اور ان کے آلہ کاروں کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو گھن آتی ہے کہ فلاح و بہبود کے نام پر استحصال کرنے کے لئے کتنے اوچھے ہتھکنڈے اپنائے گئے ہیں۔ ایک طرف سوشلزم نے فرد کی انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام نے وسائل کو چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس کے برعکس اسلام میں ایک متوازن نظریہ پیش کیا گیا جس میں فرد کی ملکیت کو روا تو رکھا گیا مگر اس کی دولت میں دوسرے افراد کے لئے زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں وافر حصہ رکھ دیا گیا تاکہ غربت و افلاس کا شکار افراد بھی اپنی زندگی بہتر ڈھنگ کے ساتھ گزار سکیں۔ اس کے علاوہ سب سے اہم بات جو ہمیں نظر آتی ہے وہ انسان کے اندر اخروی جوابدہی کا احساس اجاگر کرنا ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی حاصل کیا گیا ہے اس میں دوسروں کے حقوق کی ادائیگی نہ کی گئی تو مواخذہ کا خدشہ ہے جس کی وجہ سے ہر شخص اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس مواخذہ سے بچ جائے، یوں معاشرے میں دولت کی گردش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مذہب سے بیزاری

مذہب سے بیزاری کی دعوت کیسے ہے؟ اس کا جواب بے حد آسان ہے۔ انسان روزِ اول سے ہی کسی نہ

کسی صورت میں مذہب سے وابستہ رہا ہے اور مذہب ہی نے اسے اعلیٰ اخلاقی مدارج کا تعین کرنے میں مدد دی ہے۔ اب اگر اس کی فلاح و کامرانی کو مادہ کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ اس کامیابی کے لئے صرف مادے پر انحصار کافی ہے، مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت بالکل نہیں ہے جب کہ مذہب اس کے برعکس تعلیم دیتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں کئے جانے والے اعمال کا نتیجہ آخرت کی دائمی زندگی میں سامنے آنے والا ہے اس لئے اس دنیا میں ایسے اعمال و افعال کے ارتکاب سے گریز کیا جائے جو ناپسندیدہ ہیں اور برائی کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلام دنیاوی زندگی ہی کو حرفِ آخر سمجھنے والوں کو ان الفاظ میں جھنجھوڑتا ہے:"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ"[24]

"بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمھیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا، اور تمھیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟"[25]

سیکولرازم میں مذہب سے اتنی بے زاری کیوں پائی جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب جاننے کے لئے اس پسِ منظر کو جاننا بے حد ضروری ہے جس پر سیکولرازم کی عمارت کھڑی ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ مغربی ممالک سے شروع ہونے والی اس تحریک کی بنیادی وجہ ان ممالک میں رائج مذاہب کا جمود ہے۔ یورپ میں علمی جمود کے اس دور میں عالمِ اسلام میں علوم و فنون کا دور دورہ تھا۔ اہلِ مغرب کا صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کے ساتھ ربط و تعلق بڑھا اور انھوں نے عالمِ اسلام کی جامعات میں تعلیم حاصل کی تو ان میں شعور و آگہی بیدار ہوئی اور انھوں نے جان لیا کہ کلیسا اور اہلِ کلیسا نے ان پر علمی ترقی کے دروازے بند کر رکھے ہیں اور ان کی فکری پرواز پر بے جا پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ انھوں نے کلیسا کی پابندیوں کے خلاف آواز اٹھائی تو اسے دبانے کے لئے ہر اس شخص پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا جو کلیسا کی آراء و افکار کے خلاف کسی رائے یا فکر کا اظہار کرتا۔[26]

سائنسی ترقی کے دور کی ابتداء میں ہی ایسے سوالات اٹھنے شروع ہو گئے جن کی وجہ سے مذہبی عقائد پر زد پڑنے لگی، بجائے اس کے کہ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے جاتے، سوال کنندگان کو دار و رسن کی سزائیں سنائی جانے لگیں جس سے یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ مذہب اور سائنس میں تضاد ہے اور مذہب کسی طور بھی سائنس کو پنپنے کا موقع نہیں دے گا۔ سائنس میں چونکہ مادہ اصل ہے اور جو چیز تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہو جائے اس کو درست مانا جاتا ہے اس لئے سائنس سے شغف رکھنے والے افراد ان نظریات کی نفی

کرنے لگے جو تجربہ اور مشاہدہ سے بالاتر ہیں۔ کلیسا ان کی تشفی نہ کر سکا بلکہ الٹا ان پر پابندیاں عائد کر دیں تو آزادی، مساوات اور اخوت کا ایک تثلیثی نعرہ بلند کیا گیا جس نے آگے جا کر سیکولرازم کی شکل اختیار کر لی۔

کلیسا کی بے جا پابندیوں نے جہاں افراط کی صورت اختیار کر لی تو اس کے ردِ عمل میں سیکولرازم کی شکل میں تفریط کا اظہار ہوا۔ ایک طرف فکر کو مکمل طور پر مذہبی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تو دوسری طرف فکر کو اتنا آزاد کر دیا گیا کہ اس کا انحصار مکمل طور پر اپنی عقل اور سوچ تک محدود ہو کر رہ گیا یوں مذہب اور عقل کے درمیان تصادم کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیکولرازم کے بانی جارج ہولیوک کو توہینِ مذہب کے جرم میں چھ ماہ کی سزا سنائے جانے کا پسِ منظر بھی مذہب سے تنفر کی وجہ سے اس کے ادا کئے جانے والے یہ الفاظ ہیں

"میں خدا کا نام بھی نہیں سننا چاہتا، مذہب کا سوچ کر ہی مجھ پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، میں بائبل سے اس طرح دور بھاگتا ہوں جیسے سانپ سے اور کسی عیسائی کے چھونے سے برگشتہ ہو جاتا ہوں کہ کہیں ان کی محبت آمیز مہربانیاں میرے سر نہ آپڑیں"[27]

ہولیوک کے یہ الفاظ مذہب کو ایک ایسی خطرناک چیز کے طور پر پیش کرتے ہیں جس سے دور رہنے میں ہی عافیت ہے۔ یہی سوچ عصرِ حاضر کے سیکولر افراد کے اذہان میں بھی موجود ہے۔ سیکولر اذہان اسلام کے بارے میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسلام میں زمانے کا ساتھ دینے کی تاب نہیں ہے بلکہ یہ بھی میسحیت کی طرح عبادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کا تعلق صرف مسجد اور اس کی چار دیواری تک محدود ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو "عقل" کے استعمال کی اجازت دیتا ہے۔ قرآن کریم میں جابجا غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔[28] اپنے ارد گرد موجود اشیاء سے ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت اور پہچان کرنے کی یہ دعوت انسان کو جہاں ایک طرف عقل کے استعمال کی دعوت دیتی ہے وہیں انسان کو اس حقیقت سے بھی آشنا کرتی ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں بھیجے جانے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ان میں موجود اشیاء کو مسخر کرنے بعد انسانی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے اور ان کے غلط استعمال سے گریز کیا جائے کیونکہ دنیا کی اس زندگی کے بعد ایک لامتناہی زندگی بھی ہے جس میں ہر شخص اپنے کئے ہوئے ہر نیک و بد کام کا انجام دیکھے گا اور آخرت کی اس زندگی میں فلاح و کامیابی کا دارومدار موجودہ حیات میں کئے گئے اعمال و افعال ہیں۔

انسان نہ تو اتنا مجبور ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی کام سرانجام نہ دے سکے اور نہ اتنا آزادی حاصل ہے کہ وہ خود کو ہر ایک قانون سے بالاتر سمجھ کر کچھ بھی کر گزرے۔ دنیا کی زندگی میں خوب سے خوب تر کی جستجو کی دعوت اسلام اپنے ماننے والوں کو ایک ایسی جامع دعا سکھا کر دیتا ہے جس میں دنیا اور آخرت دونوں میں "بہترین" کو مانگا گیا ہے۔[29]

عقلیت پسندی

رہی بات عقلیت پسندی کی طرف بلانے کی تو اس بات کی اجازت اسلام بھی دیتا ہے کہ دنیاوی امور میں خوب سے خوب تر کی جستجو کی جائے اور راحت رسانی کے تمام ذرائع استعمال کئے جائیں لیکن اسلام عقل کو بنیاد نہیں قرار دیتا بلکہ عقل کے استعمال کو وحی الہی کی رہنمائی سے مقید کرتا ہے اور اس کے لئے حدود متعین کر دیتا ہے کہ وہ امور جن تک عقل کی رسائی ممکن نہیں ہے ان کے بارے میں توقف کیا جائے اور وحی سے منقول باتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔

اس کی سب سے عمدہ مثال انسانی بدن میں موجود "روح" کی ہے۔ عقل کو حرفِ آخر قرار دینے والے آج تک اس کی حقیقت جاننے سے قاصر ہیں کہ وہ کیا چیز ہے جس کی بدولت ایک انسان اپنے روزمرہ امور کو انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کی عدم موجودگی انسان کو بے جان لکڑی کے ٹکڑے جیسا بنا دیتی ہے جو خود سے نقل و حرکت تک نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے یہود نے روح کے بارے میں سوال کیا جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا"[30]

"اور (اے پیغمبر) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے بنی ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔"[31]

اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی علم اور عقل کی رسائی محدود ہے جبکہ اس دنیا میں موجود متعدد اشیاء ایسی ہیں جن تک عقل کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ اب اگر عقل ہی کو معیار مان کر ان اشیاء کے بارے میں موشگافیاں کی جائیں تو لا محالہ عقل اپنی محدودیت کی بناء پر ان اشیاء کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر رہے گی اور سیکولرازم کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ عقل کی محدودیت کو اس مفہوم میں لینا کہ

عقل کے استعمال اور افادیت کا کلیتاً انکار کر دیا جائے، بالکل غلط ہے۔ احکامِ شرع کا اولین مخاطب عقل ہی ہے جو احکام کو سمجھ کر حق و باطل کی تمیز کرتی ہے اور غور و فکر کی اس راہ پر چلنے والے عند اللہ ماجور ٹھہرتے ہیں۔[32]

ایک اور امر جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے تنہا عقل کو معیار مان بھی لیا جائے تو اس میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ اس دنیا میں موجود ہر شخص اور نظریہ اس بات کا دعویدار ہے کہ اس کا بیان کردہ معیار ہی عقل و علم کی انتہائی بلندی ہے اور اس میں مصالحِ انسانی کی مکمل نمائندگی موجود ہے۔ اب اس بات کا فیصلہ کیسے کیا جائے کہ کون سا فرد اور نظریہ درست ہے؟ لا محالہ اس کے لئے بھی عقل ہی کو میدان میں اتارا جائے گا جس کا نتیجہ اس کے علاوہ کچھ اور رگز نہیں نکلے گا کہ ایک اور نظریہ وجود میں آ جائے جو پہلے سے موجود نظریات کے بر عکس ہو گا تو لا محالہ ہمیں کسی ایسی روشنی کی ضرورت پڑے گی جو عقل کی درست سمت میں رہنمائی کا فریضہ سر انجام دے سکے اور یہ روشنی وحیِ الٰہی ہی ہو سکتی ہے۔[33]

ایجابی پہلو پر زور دینا

سیکولرازم کا یہ اصول کہ اس میں ایجابی پہلو اختیار کیا جاتا ہے اس کے پہلے اصول سے متصادم ہے۔ جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا گیا کہ "فلاحِ انسانیت" کا اصول بذاتِ خود کئی منفی پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ مذہب کا انکار اور اس کی وجہ سے عقل کو ہی سب کچھ قرار دے کر مذہبی و الہامی کتب سے لا تعلقی و روگردانی کی روش اختیار کرنے کی دعوت وہ منفی پہلو ہیں جو سیکولرازم میں ایجابیت کی موجودگی کی تردید کرتے ہیں۔ نیز اس اصول کا عمیق جائزہ لیا جائے تو یہ بھی پہلے اصول ہی سے ماخوذ ہے اور اس کا مفہوم بھی یہی بنتا ہے کہ عقل ہی انسانی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

عقل سے ماوراء امور میں کس پہلو کو اختیار کیا جائے گا؟ اس اصول کی روشنی میں ماورائے عقل امور کی نفی کرنا ہی اصل ہے کیونکہ وہ امور ثابت نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ اس کی مثال "اخروی زندگی اور اس میں پیش آنے والے امور" ہیں۔ سیکولرازم سے وابستہ فرد چونکہ دنیاوی زندگی کو ہی اصل سمجھتے ہیں اس لئے وہ آخرت کی زندگی کے قائل ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان معاملات میں ظن و تخمین کو پیمانہ قرار دے کر ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں حالانکہ عقل ہی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ روح کے جسم سے انقطاع کے بعد کے حالات کیا ہوں گے؟ آیا اس کے بعد بھی کوئی زندگی ہے یا نہیں جس میں انسان کو اس کے دنیاوی اعمال کے مطابق جزا و سزا

ملے؟ یہی وہ مقام ہے جہاں آکر عقل کے پر جل جاتے ہیں اور اس کی رسائی کسی جواب تک نہیں ہو پاتی تو وحی اسے راستہ دکھاتی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جو لا محدود ہے، جہاں انسان کو اس کے ہر کئے کا بدلہ ملنا ہے۔

ایک اور منفی پہلو جو عقلیت پرستی کی اس دعوت کی وجہ سے سامنے آتا ہے وہ سماجی رشتوں میں در آنے والی بے تعلقی، بُعد اور سرد مہری ہے جس کی وجہ سے رشتوں میں کاروباری انداز در آئے۔ اخلاص، مروت، عالی ظرفی، شجاعت، حوصلہ مندی، بزرگی، جذبۂ ترحم اور وفاداری کا گلہ گھونٹ دیا گیا اور اس کی جگہ رسم و رواج اور عادت کے نام پر ایسے ضابطے وضع کر لئے گئے جو معاشرتی بے راہروی کو بڑھانے کا باعث بن گئے مثلاً جنسی آزادی کے نام پر مرد و زن کو فراہم کی جانے والی آسانیاں جس نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ بغیر کسی ضابطے اور قاعدے کے تعلق استوار کرنے کی اجازت تو دی ہی تھی اس کے ساتھ ساتھ ہم جنسیت کا دروازہ بھی کھول دیا بلکہ اسے عینِ فطرت بھی قرار دیا۔ عقل کی بنیاد پر قائم ایسے سماج میں نہ تو قول و قرار کی کوئی وقعت ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاقی پیمانے قابلِ توجہ ہوتے ہیں۔[34]

مذہبی آزادی کا نعرہ

سیکولرازم کے ایک اور بنیادی اصول کے مطابق ہر فرد کسی بھی مذہب سے وابستگی رکھنے میں آزاد ہے۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ کسی مذہب پر عمل پیرا ہوتا ہے یا مذہب کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکتا ہے۔ مذہب سے وابستگی اور عدم وابستگی کی وجہ سے نہ تو اسے کسی قسم کا فائدہ دیا جائے گا اور نہ ہی اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا لیکن عملی طور پر اس اصول کی مکمل خلاف ورزی کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو پیش آنے والے معاملات ہیں جن میں مختلف سیکولر ممالک میں مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی جا رہی ہے۔

ان معاملات میں سرِ فہرست حجاب کا معاملہ ہے۔ کئی یورپی ممالک میں حجاب پر پابندی عائد ہے جن میں آسٹریا، ڈنمارک، فرانس،[35] بلغاریہ،[36] ناروے،[37] نیدرلینڈ،[38] چائنا اور ترکی وغیرہ شامل ہیں۔ ان ممالک میں مسلمان خواتین کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے سر ڈھانپ سکیں۔ ۲۰۰۶ء میں برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون نے حجاب کو "امتیازی نشان" (Symbol of Separation) قرار دیا۔[39] ڈچ سیاستدان

گریک وائلڈرنے تو حجاب کے علاوہ مسلم تعلیمی اداروں، مساجد اور قرآن پر بھی پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔[40] ترکی، گو کہ ایک اسلامی ملک ہے لیکن طرزِ حکومت سیکولر ہونے کی وجہ سے وہاں بھی حجاب پر پابندی عائد ہے[41] جسے اب طیب اردگان کی حکومت میں تدریجاً ختم کردیا گیا ہے۔

حجاب پر پابندی کا مقصد کیا ہے؟ اسے جاننے کے لئے تحریک نسواں "Feminist Movement" کو جان لیا جانا کافی ہو گا جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی غرض زندگی کے ہر شعبہ میں خواتین کو مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا جاسکے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر الگ کیا جاسکے۔ اس تحریک سے خواتین کو ان کے جائز حقوق دلانا مقصود ہوتا تو ٹھیک تھا لیکن اس کی آڑ میں مردوزن کے کھلم کھلا اختلاط اور اس کے نتیجے میں در آنے والے بے حجابی اور فحاشی کے طوفانِ بدتمیزی کے اثرات اتنے خطرناک ہیں جس کی کوئی انتہاء ہی نہیں ہے۔

مغربی ممالک میں "حقوقِ نسواں" کے نام پر خواتین کا جس طرح استحصال کیا گیا وہ کوئی ڈھکا چھپا معاملہ نہیں ہے۔ مساواتِ مردوزن کے اس نعرہ کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو ان ممالک میں اس کی صریح خلاف ورزی کی گئی اور خواتین کو مردوں کے برابر لا کھڑا کرنے کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ ملازمت پیشہ خواتین کو کم تنخواہوں کی ادائیگی اس کی ایک مثال ہے۔ 1970ء میں مردوں اور خواتین کی تنخواہوں میں 59٪ کا تفاوت تھا۔ مثلاً ہائی سکول پاس عورت کی تنخواہ 2421 ڈالر جبکہ ہائی سکول پاس مرد کی تنخواہ 6736 ڈالر، خاتون کلرک کی تنخواہ 4789 ڈالر اور مرد کلرک کی تنخواہ 7351 ڈالر تھی۔[42]

مذہبی وابستگی کی وجہ سے نفع و نقصان نہ پہنچائے جانے کے اس موقف کی کھلم کھلا خلاف ورزی دیکھنی ہو تو برما (موجودہ میانمار) میں مسلمانوں کی نسل کشی کے واقعات کو ذہن میں لایا جائے جہاں کی وزیر اعظم کو نوبل پرائز سے نوازا گیا ہے لیکن اس کے ملک میں بسنے والے روہنگیا مسلمان صرف اور صرف مذہب کی بنیاد پر تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔ انڈیا میں بھی مسلمانوں کی حالتِ زار اس امر کی غماز ہے کہ سیکولر ریاستوں میں مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کا یہ سلسلہ تھمنے والا نہیں ہے۔

ریاستی امور سے مذہب کی بے دخلی

سیکولرازم میں مذہب کا کردار فرد کی ذات تک محدود ہے، ریاستی معاملات میں مذہب کی مداخلت

ناقابلِ برداشت ہے چنانچہ ریاست کوئی بھی ایسا قانون نافذ کرنے کی مجاز ہے جو کسی بھی مذہب کے مخالف ہو۔ گویا قانون کو مذہب پر بالادستی حاصل ہے اور قانون کی وجہ سے کسی شخص کے اپنائے ہوئے عقیدہ پر زد پڑتی ہو تو اسے برداشت کیا جائے گا۔ بظاہر دیکھا جائے تو یہ اصول بہت خوشنما ہے اور معاشرتی اقدار میں اختلاف کی صورت میں ریاست کو قولِ فیصل اختیار کرنے کا حق تفویض کرتا ہے لیکن یہاں پھر سے وہی سوال آکھڑا ہوتا ہے کہ انسانی قوانین میں خلوص اور نیک نیتی کے لئے کون سا ایسا پیمانہ اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے عقائد پر عمل پیرا ہونے میں آزاد بھی ہو، اس کے عقائد پر زد بھی نہ پڑتی ہو اور نظمِ اجتماعی بھی متاثر نہ ہو؟

سیکولرازم کے ماننے والے ایسا کوئی بھی پیمانہ پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ انسانی تجربات سے دیکھ کر اخلاقی اور قانونی اقدار کا تعین کرنا انتہائی مشکل امر ہے کیونکہ ہر شخص اپنی زندگی میں مختلف تجربات سے گزرتا ہے اور ان تجربات کی روشنی میں وضع کردہ قانون کسی نہ کسی پہلو سے کسی دوسرے کی حق تلفی کا سبب بنتا ہے۔ پھر تجربات سے سیکھ کر بنایا جانے والا قانون ہر دور میں متغیر و متبدل ہوتا رہے گا کیونکہ ہر دور کے تجربات سابقہ ادوار کی بنسبت الگ ہی ہوں گے۔ لیکن مذہب کی ریاستی امور سے بے دخلی کا یہ معاملہ بھی عملی طور پر سیکولر ریاستوں میں مفقود ہے۔

آزادئ فرد کا فلسفہ

سیکولرازم میں فرد کی آزادی پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ ہر فرد آزاد ہے۔ دلیل اور منطق کی بنیاد پر سچ کی تلاش کرنا ہر فرد کا بنیادی حق ہے اور پھر معلوم شدہ سچ پر تنقید کرنا بھی ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔[43] آزادی کا یہ نعرہ صرف زبان و بیان کی آزادی کی حد تک نہیں ہے بلکہ اعمال و افکار بھی اس دائرے میں آتے ہیں۔ سیکولرازم کا یہ طرز اپنے اندر کئی دائرے رکھتا ہے۔ ان میں فرد کی ذاتی آزادی کے تمام پہلو آجاتے ہیں خواہ وہ مذہبی، شخصی اور فکری اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو۔

فرد کی آزادی کے اس طرزِ فکر کو دیکھا جائے تو سیکولر ریاستوں میں بھی فرد کو مکمل آزادی حاصل نہیں ہے۔ ملکی قوانین ہر شخص کو ایک حد سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ نیز متعدد ممالک میں مذہب اور مذہبی شخصیات کو تنقید کا نشانہ بنانا اور ان کی تضحیک کرنا قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ ان ممالک میں عصرِ حاضر کے ترقی یافتہ ممالک برطانیہ، امریکہ اور روس شامل ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ میں توہینِ مسیحؑ قابلِ تعزیر جرم ہے جبکہ

روس میں اشتراکی امپریلزم کے بانی سٹالن کی اہانت اور اس سے اختلافِ رائے رکھنا سنگین جرم قرار دیا گیا۔[44] لیکن آزادی کا یہ معاملہ جب مسلمانوں کی طرف رخ کرتا ہے تو مغرب کی دوغلی پالیسی آشکار ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو مذہبی تعصب کا نشانہ بنایا جانا کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں حال ہی میں ہونے والے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت کا معاملہ ہے۔ ڈنمارک کے اخبارات میں شائع ہونے والے خاکے خود ڈنمارک کے طے شدہ قوانین کے خلاف ہے۔ مثلاً ڈنمارک کے کریمنل کوڈ کے سیکشن 140 کے مطابق ہر وہ شخص جو ملک میں قانونی طور پر مقیم کسی فرد یا کمیونٹی کے مذہب یا عبادات اور دیگر مقدس علامات کی تضحیک کرے گا، اسے زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی وید یا جرمانی کی سزا دی جا سکے گی۔[45] اسی طرح پینل کوڈ کے سیکشن 266 بی کے مطابق ایسا کوئی بھی بیان یا سرگرمیاں جرم ہیں جو جسی بھی کمیونٹی کے افراد کے لئے رنگ، نسل، قومیت، مذہب یا جنس کے حوالے سے دل آزار ہوں۔[46]

لیکن افسوس ناک امر یہ ہے کہ گستاخانہ خاکوں کی اشاعت میں ملوث ان اخبارات کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کی گئی یوں آزادئ اظہار کی آڑ میں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے اس سلسلے کو نئی راہ دے دی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہالینڈ کے ایک ممبر پارلیمنٹ نے گستاخانہ خاکوں کا ایک بین الاقوامی مقابلہ منعقد کرنے کا اعلان کیا جس پر مسلم دنیا سراپا احتجاج ہوئی اور ہالینڈ کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا گیا تو اس مقابلے کے انعقاد کو مؤخر کر دیا گیا۔

خلاصۂ بحث

سطورِ بالا میں سیکولرازم کے چند بنیادی اصولوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور ان کا سرسری جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیکولرازم کا بنیادی مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ نسلِ نو کے اذہان و قلوب کو مذہب سے بیزار کر کے ان کے اندر آزادئ فکر کے نام پر ہر تہذیب سے بغاوت کا جذبہ بیدار کرے اور بے حیائی اور فحاشی کے کلچر کو فروغ دے۔ مغربی پسِ منظر کی حامل یہ تحریک اپنے ممالک میں رائج مذاہب کی معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی وغیرہ معاملات میں عدم رہنمائی کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھی ہے کہ اسلام بھی ایسی تعلیمات سے عاری ہے جو صریحاً غلط ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کو جدید مسائل سے ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی ایک

تحریک چلائی جائے جس میں مغرب سے درآمد شدہ تمام جدید افکار و نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور ان میں موجود غلط افکار کو نسلِ نو کے سامنے واضح کیا جائے اور اسلام کی آفاقی تعلیمات کو جدید ذہن کی فہم کے قریب کیا جائے لیکن اس میں بھی اس بات کو بالخصوص مدِ نظر رکھا جائے کہ اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح کو مجروح نہ کیا جائے۔

نتائجِ بحث

درج بالا بحث سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں

1. سیکولرازم کو بطور اصطلاح رائج کرنے کی وجہ سے جارج جیکب ہولیوک "بابائے سیکولرازم" کے لقب کا مستحق ہے۔
2. سیکولرازم کے بنیادی اصولوں کو مرتب شکل میں پیش کرنے والا اولین فرد جارج جیکب ہولیوک ہے، بعد کے سیکولر مفکرین نے ان اصولوں کی روشنی میں سیکولرازم کی تشکیلِ جدید کی ہے۔
3. سیکولرازم ایک مغربی نظریہ ہے جس کے بطورِ تحریک پنپنے کی وجہ مسیحیت کا جمود تھا جس سے مذہب مخالف عناصر نے فائدہ اٹھایا اور دہریت کو رائج کرنے کے لئے سیکولرازم کو اس کے قابلِ قبول اور نرم متبادل کے طور پر پیش کیا۔
4. سیکولرازم اور دہریت میں مذہب سے آزادی ایک ایسی بنیاد ہے جو ان دونوں کو ایک ہی زمرے میں لا کھڑا کرتی ہے۔
5. سیکولرازم میں "عقل"، "تجربات" اور "وجدان" کو فلاحِ انسانیت کے حصول اور اعلیٰ و تعمیری اخلاق تک رسائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جن کی محدودیت ان کے کامل ذریعہ بننے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔
6. مذہب اور ریاست کی تفریق کا نظریہ رکھنے والی اس تحریک کے علمبردار کئی ممالک میں آج بھی "توہینِ مسیحؑ" ایک قابلِ تعزیر جرم ہے جو سیکولرازم کے بنیادی اصولوں سے صریح انحراف ہے۔
7. سیکولرازم فرد کے مذہبی معاملات میں مداخلت کی سختی سے ممانعت کرتا ہے اور مذہبی آزادی کا قائل ہے لیکن عملی طور پر اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنا اور مسلمانوں سے امتیازی سلوک روا رکھنا اس امر کا غماز ہے کہ سیکولرازم کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنانا ہے۔

8. سیکولرازم فرد کی مکمل آزادی کا قائل ہے لیکن اس آزادی کو پامال بھی خود ہی کرتا ہے اور ملکی قوانین کی حدود میں اس آزادی کو مقید کر کے اپنے موقف سے انحراف کرتا ہے۔

حواشی

[1] https://www.britannica.com/topic/liberalism

[2] Rupke, Jorg, "Saeculum". In Hubert Cancik, Helmuth Schneider, Christine F. Salazar, David E. Orton (eds.). Brill's New Pauly: Encyclopedia of the ancient world. Leiden: Brill, 2002

[3] The Oxford English Dictionary, Prepared by J. A. Simpson and E. S. C. Weiner, 2nd Edition, Clarendon Press, Oxford, 1989, vol. XIV, p. 848

[4] Ibid.

[5] www.islamic-studies.info محمد شارق، حافظ، اسلام اور مذاہبِ عالم، ماڈیول WA01: مذاہبِ عالم کا بنیادی تعارف، ص: 60-58

[6] https://www.youtube.com/watch?v=emnzRjaslhQ

[7] publishinghau5.com, "The Age of Enlightenment: A History From Beginning to End: Chapter 3" , Retrieved 7 August 2018.

[8] رچرڈ کابڈن ایک انگریز سیاستدان ہے جو 3 جون 1804ء میں انگلینڈ میں پیدا ہوا۔ آزاد تجارت (free trade) کے موقف کا دفاع کرنے کی وجہ سے شہرت پائی۔ کابڈن ایک غریب کسان کا بیٹا تھا۔ 1828ء میں شراکت پر ہول سیل کا کاروبار شروع کیا اور خوب پیسہ کمایا۔ 1833ء سے 1839ء کے درمیان فرانس، جرمنی، سوئزرلینڈ، امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ کا دورہ کیا اور اسی دوران خارجہ پالیسی پر دو کتابچے تحریر کئے جن میں انسانوں اور اشیاء کی آزادانہ نقل و حرکت کو خارجہ پالیسی کی بنیاد بنانے پر زور دیا۔ 1841ء میں پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا۔ سیاست میں نام کمانے کے لئے سات سال جدوجہد کی جس میں وہ کامیاب تو ہو گیا لیکن اس کی معاشی حالت دگرگوں ہو گئی۔ فرانس اور برطانیہ کے درمیان تعلقات کی بہتری اس کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ 2 اپریل 1865ء میں لندن میں وفات پائی۔ (https://www.britannica.com/biography/Richard-Cobden)

[9] ولیم ایورٹ گلیڈسٹون برطانیہ کی لبرل پارٹی سے تعلق رکھنے والے ایک برطانوی سایستدان ہیں جو 12 سال تک برطانیہ کے وزیر اعظم کے طور پر کام کر چکے ہیں۔ گلیڈسٹون کی پیدائش لیورپول کے ایک اطالوی گھرانے میں 29 دسمبر 1809ء میں ہوئی۔ 1832ء میں "ہاؤس آف کامنز" کے رکن بنے اور 1868ء میں پہلی دفعہ وزیر اعظم بنے اور اس دوران متعدد اصلاحاتی بل پاس کئے جن میں "چرچ آف آئرلینڈ" کا قیام اور "خفیہ رائے شماری" وغیرہ شامل ہیں۔ 1880ء اور 1892ء میں دوبارہ وزیر اعظم بنے۔ 19 مئی 1898ء میں وفات پائی۔ (https://www.biography.com/people/we-gladstone-9312785)

[10] تھامس پین 29 جنوری 1737ء کو برطانیہ میں پیدا ہوئے۔ رسمی تعلیم حاصل کرنے کے اپنے والد کے ساتھ کام کرنے لگے اور کئی پیشے اختیار کئے جن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بالآخر محکمہ ایکسائز میں افسر لگ گئے جس کا تمبا کو پر ٹیکس کی وصولیابی اور سمگلروں کا پیچھا کرنا تھا۔ ان کی برطانیہ میں گزرنے والی زندگی مکمل ناکامی کا دوسرا نام تھا۔ ناامیدی کے اس دور میں اس کی ملاقات فرینکلن بینجمن سے ہوئے جس نے اسے امریکہ میں قسمت آزمائی کا مشورہ دیا۔ نومبر 1774ء میں امریکہ آمد کے بعد "پیسلوانیا میگزین" کا مدیر بنا اور متعدد

مضامین اور نظمیں تحریر کیں۔ برطانیہ اور امریکہ کے درمیان تنازعہ کو ٹیکس کی ادائیگی کے مسئلہ کے حل تک محدود رکھنے کی جگہ مکمل آزادی کے مطالبہ سے بدلنے کا مشورہ دیا جسے "Common Sense" کے نام سے طبع کیا جو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوا۔ 8 جون 1809ء میں نیویارک میں وفات پائی۔(https://www.britannica.com/biography/Thomas-Paine)

[11] رابرٹ اوون 14 مئی 1771ء میں ویلز میں پیدا ہوا۔ ان کے والد ڈاکیہ کا کام کرتے تھے۔ دس سال تک مقامی سکولوں میں پڑھتے رہے۔ اس کے بعد ایک شخص کے ہاں ملازم ہو گئے اور اس کے پاس موجود لائبریری سے استفادہ کرتے رہے۔ 19 سال کی عمر میں مانچسٹر کی ایک کپڑا فیکٹری میں نگران مقرر ہو گئے۔ 1813ء میں چار مضامین تحریر کئے جن میں انھوں نے مذہب کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مذہب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ایک نئے خیال کی طرف دعوت دی جس کے مطابق انسانی کردار پیش آنے والے حالات کی وجہ سے بنتا ہے اس لئے کسی بھی انسان کی ستائش اور مذمت نہیں کی جا سکتی۔ مذہب کے علاوہ تجارت اور تعلیم کے بارے بھی نظریات پیش کئے۔ 17 نومبر 1858ء میں وفات پائی۔

(https://www.britannica.com/biography/Robert-Owen)

[12] https://www.secularism.org.uk/george-jacob-holyoake.html

جارج ہولیوک کے تفصیلی حالاتِ زندگی اس کی خود نوشت سوانح حیات "Sixty Years of an Agitator's Life" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ دوران تحریر اس کتاب کا جو برقی نسخہ سامنے تھا وہ 1906ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔

[13] McCabe, Joseph, George Jacob Holyoake, London: Watts And CO., Johnson's Court, Fleet Street, 1992, p:5-6

[14] اس عدالتی کارروائی کی سرگزشت ہولیوک نے اپنی کتاب میں تحریر کی ہے۔ کتاب کا نام درج ذیل ہے۔

"The History of the Last Trial by Jury for Atheism in England:A Fragment of Autobiography" (London: J. Watson, 1850)

[15] McCabe, Joseph, George Jacob Holyoake

[16] McCabe, Joseph, Life and Letters of George Jacob Holyoake, (London: Watts & Co., 17, Johnson's Court, Fleet Street, E.G. , 1908), 1:63

[17] Ibid., 1:65

[18] Holyoake, George Jacob, The Principles of Secularism, Chapter III: Principles Of Secularism Defined, (London: Book Store, 282, Strand; Austin. & Co., 17, Johnson's Court, Fleet Street, 1871)

[19] Ibid.

[20] Ibid.

[21] Gerard Phillips, Introduction To Secularism, London: National Secular Society, August 2011, p:10.

[22] AC Grayling, Ideas that Matter: A Personal Guide for the 21st Century, Phoenix, 2010, p.473.

[23] Gerard Phillips, Introduction To Secularism, p:10.

[24] سورۃ المؤمنون: 115۔

[25] عثمانی، محمد تقی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن۔

[26] الرحیلی، حمود بن احمد بن فرج، العلمانیۃ وموقف الاسلام منہا، الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، 1422ھ، ص: 351۔

[27] McCabe, Joseph, Life and Letters of George Jacob Holyoake, 1:65

[28] دیکھیے: سورۃ الاعراف:176، سورۃ یونس:24، سورۃ الرعد:3، سورۃ النحل:66،44، سورۃ الروم:21، سورۃ الزمر:42، سورۃ الجاثیۃ:13، سورۃ الحشر:21، سورۃ النساء:82، سورۃ محمد:24۔

[29] سورۃ البقرۃ:201۔

[30] سورۃ الاسراء:85۔

[31] عثمانی، محمد تقی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن۔

[32] القرضاوی، یوسف، اسلام اور سیکولرازم، مترجم: ساجد الرحمن صدیقی، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد، 1981ء، ص:34۔

[33] ایضاً، ص:80۔

[34] طارق جان، سیکولرازم: مباحث اور مغالطے، ص:56۔

[35] French MPs back headscarf ban BBC News (BBC).

[36] Bulgaria the latest European country to ban the burqa and niqab in public places, Smh.com.au

[37] "Norway proposes ban on full-face veils in schools".

[38] Halasz; McKenzie, Stephanie; Sheena (27 June 2018). "The Netherlands introduces burqa ban in some public spaces" CNN. The Telegraph Netherlands to Ban the Burka

[39] Blair's concerns over face veils BBC News Online. 17 October 2006.

[40] "Education Code. L811-1 §2" (in French). Legifrance.gouv.fr. 1984-01-26.

[41] Turkey headscarf ruling condemned Al Jazeera English.

[42] مودودی، ابوالاعلی، سید، مولانا، پردہ، ص:102۔

[43] Holyoake, George Jacob, The Principles of Secularism, Chapter IV: Laws of Secular Controversy.

[44] محمد تصدق حسین، علامہ، توہینِ رسالت ﷺ کا علمی و تاریخی جائزہ، تحریک مطالعۂ قرآن لاہور، ص:156،155۔

[45] محمد علی جانباز، توہینِ رسالت کی شرعی سزا، مکتبہ رحمانیہ، سیالکوٹ، اگست 2007ء، ص:311۔

[46] ایضاً، ص:312۔